إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلْإِسْلَٰمُ

سیکولرازم کا تعارف، وارتقاء اور مسلم دنیا پر اثرات

محمد زکریا رفیق

سیکولرزم کا تعارف، وارتقاء

اور مسلم دنیا پر اثرات

محمد زکریا رفیق

سیکولرزم کا تعارف وارتقا اور مسلم دنیا پر اثرات

سیکولرزم (Secularism) کا اُردو معنٰی 'لادینیت' ہے۔ سیکولرزم 'ایسی دُنیویت کو بھی کہتے ہیں جس کا آخرت یا دین سے کوئی تعلق نہ ہو'۔ سیکولر انسان 'وہ ہوتا ہے جو مذہبی نہ ہو'۔ سیکولر نظریہ 'وہ ہے جو دین یا مذہبی پیشوائیت کا پیش کردہ نہ ہو۔'

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے مطابق:

''سیکولرزم ایک اجتماعی تحریک ہے جس کا مقصد لوگوں کو آخرت کی توجہ سے یکسر ہٹا کر فقط دنیا کی طرف متوجہ کرنا ہے۔''

امریکی انسائیکلوپیڈیا کے مطابق:

''سیکولرزم ایک ایسا اخلاقی نظام ہے جو آسمانی ادیان سے ہٹ کر اپنے اُصول و قواعد رکھتا ہے۔''

سیکولرزم کا ایک معنی ہے : فَصْلُ الدِّیْنِ عَنِ الدَّوْلَةِ اَوِ الْمُجْتَمَعِ

دین کو معاشرہ یا ریاست سے جدا کرنا

معاشرہ یا ریاست کو دین کے علاوہ کسی چیز پر اُستوار کرنا

دین کو عملی زندگی سے الگ کرنا یا عملی زندگی کو غیر دینی بنیادوں پر قائم کرنا۔

سیکولرزم کی بڑی بڑی اقسام یہ ہیں:

سیکولر سیاست جیسے مغربی جمہوری نظام یا کمیونزم

سیکولر معاشرت جیسے مرد وزَن کی مغربی مساوات، حقوقِ نسواں کے مغربی تصورات

سیکولر اقتصاد جیسے مغربی سرمایہ دارانہ نظام یا سوشلزم

سیکولر تعلیم جو دینی اہداف و طریق کار سے آزاد ہو، جو وحی کو حجت تسلیم نہ کرے

سیکولر اخلاق جو انسان کے لیے کسی بھی مستقل قدر کو تسلیم کرنے سے انکار کرے

سیکولر فن واَدب جیسے رومانویت، واقعیت اور لا معقولیت کے ادبی فنی مکاتبِ فکر وغیرہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ''سیکولرزم ایک سائنسی طرزِ فکر ہے جو مذہب سے ہٹ کر سوچنا سکھاتی ہے۔ مذہب جن اُمور میں خاموش ہوتا ہے یا براہِ راست کوئی راہنمائی نہیں کرتا، وہاں پر غیر مذہبی یعنی سائنسی انداز سے سوچنا سیکولرزم ہے اور یہ دین کے منافی نہیں۔'' سیکولرزم کا یہ معنی انتہائی محدود ہے اور کئی قسم کے مغالطوں کا مجموعہ ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سیکولر سیاست اقلیتوں کو تحفظ دیتی ہے کیونکہ وہ کسی مذہب کی حامی نہیں ہوتی اور یہ اسلام کا بھی حکم ہے کہ اقلیتوں کو تحفظ دیا جائے۔ سیکولرزم کا یہ مفہوم بھی ایک مغالطہ ہے کیونکہ سیکولرزم صرف اقلیتوں کے تحفظ کا نام نہیں بلکہ بے شمار لادینی اہداف وطریق ہائے کار کا نام ہے جن کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

مختلف افراد اور حکومتیں دین کے متعلق مختلف رویے اپناتی ہیں۔ اُن میں دو رویے زیادہ اہم ہیں:

1. بعض دین سے چشم پوشی کرتی ہیں جیسے لبرل ڈیموکریٹک حکومتیں۔ اِن حکومتوں کے نظام کو دین مخالف سیکولرزم (non religious) کہتے ہیں۔ یہ ایسے معاشروں پر مشتمل ہوتا ہے جو لادین ہیں لیکن بظاہر دین کے دشمن نہیں جیسے امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے نظام ہائے حکومت۔

2. بعض سیکولر حکومتیں دین کی دشمن ہوتی ہیں اور کسی بھی صورت دین کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتیں، اُن کے نظام کو انتہا پسند سیکولرزم (Anti religious) کہا جاتا ہے۔ اِس قسم کا سیکولرزم رُوس میں قائم ہوا۔

سیکولرزم تین سطحوں پر قائم ہوتا ہے:

1. فرد کی سطح پر: جب اُس کی مکمل توجہ دنیا پر محدود ہو جائے اور دین کو عملی زندگی سے یکسر الگ کردے۔ وہ آخرت کی ضرورت اور تاثیر سے مکمل علیحدگی اختیار کرے۔

2. معاشرے کی سطح پر: جب معاشرے کو تعلیم، اخلاق، تہذیب وثقافت، سیاست واقتصاد، ادب ومیڈیا کے میدان میں دین سے علیحدہ کردیا جائے۔

3. ریاست کی سطح پر: جب اُس کے تمام انتظامی، قانونی اور عدالتی ادارے غیر دینی بنیادوں پر قائم ہوں۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلام میں سیکولرزم کی دونوں اقسام کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہر وہ فکر جو اپنی مبادیات اور تطبیقات میں دینی نہ ہو، وہ دین مخالف ہے۔ چنانچہ اسلام اور سیکولرزم دو ایسے نقیض ہیں جو کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے اور اُن کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے!

اسلام فقط مسجد و مدرسے اور نماز روزے تک محدود نہیں بلکہ وہ مکمل زندگی کا احاطہ کرتا ہے، چاہے وہ سیاست ہو یا قانون، گھر بار ہو یا کاروبار، نظامِ تعلیم ہو یا میڈیا یا ادب، داخلہ پالیسی ہو یا خارجہ وغیرہ۔ اسلام انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں پر اپنے احکامات لاگو کرتا ہے۔ اس میں دین اور دنیا الگ الگ نہیں۔ دین دنیا کے تمام شعبوں میں داخل ہے اور دنیا دینی و اُخروی فضائل کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اسلام مادی علوم اور مادی ترقی کے بھی خلاف نہیں بشرطیکہ وہ دین کے ماتحت ہو، بالاتر نہ ہو۔

یورپ میں سیکولرزم کا ارتقا

جدید سیکولرزم کا آغاز وارتقا یورپ میں ہوا۔ جس کے دو بڑے مرحلے ہیں:

پہلا مرحلہ: جزوی سیکولرزم) ۱۶۰۰ ـ ۱۸۰۰ء: (اس دور میں دین بتدریج نجی و شخصی معاملہ بن گیا لیکن ریاست ابھی بھی کلیسا کا تحفظ کرتی تھی اور اُس کی وصولیوں کے نظام کی سرپرستی کرتی تھی۔ لوگ مسیحیت کو حیثیت تو دیتے تھے لیکن وہ اس کی بعض تعلیمات کا انکار کرتے، مسیحیت کو عقل کے تابع کیا جانے لگا۔ اس دور میں 'ڈی ازم' کا نظریہ عام ہوا جو اللہ کے وجود کا اعتراف کرتا لیکن وحی اور الٰہی تعلیمات کو من گھڑت قرار دیتا۔ یہ جزوی سیکولرزم کا دور تھا جس میں معاشرتی سطح پر دین کی شکست وریخت جاری رہی۔ اس دور کے بڑے مفکرین والٹیر، جان لاک، ہوبز، ڈیکارٹ، بیکن، سپائی نوزا اور روسو وغیرہ ہیں۔

دوسرا مرحلہ: کلی سیکولرزم) ۱۸۰۰ تاحال :(یہ سیکولرزم کے ہمہ گیر غلبے کا دور ہے۔ اس دور میں دین کو مکمل طور پر لغو قرار دیا گیا، غیبی اُمور سے انکار کیا گیا۔ اس دور میں ریاست نے کلیسا کی سرپرستی ختم کر دی۔ دین سے انحراف والحاد وبا کی صورت میں پورے یورپ پر چھا گیا۔ ریاست کے تمام شعبے سیاست، اقتصاد، تعلیم، معاشرت، اخلاق اور فنون وآداب دین سے آزاد ہوتے چلے گئے۔ یہ مکمل سیکولرزم کا دور ہے جب انفرادی، معاشرتی اور ریاستی سطح پر مسیحیت کی عمارت زمین بوس ہو گئی۔ اس دور کے مشہور مفکرین یہ ہیں: ہیگل، فیرباخ، ڈارون، فرائڈ، مارکس، ہیوم، کانٹ، وٹگنسٹائن، رالز وغیرہ

سیکولرزم اور عقل پرستی لازم ملزوم ہیں۔ کیونکہ وحی کے انکار کے بعد ضابطہ حیات کا سب سے بڑا ماخذ عقل قرار پاتی ہے۔

عالم اسلام میں اسلام اور سیکولرزم کی کشمکش

1. سیکولرزم کے نزدیک دین کو زندگی کے ہر شعبے میں لاگو کرنا ضروری نہیں؟

سیکولرزم کے حامی کہتے ہیں کہ دین انسان اور ربّ کا انفرادی معاملہ ہے، دین کا اجتماعی اور سیاسی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ کبھی وہ کہتے ہیں، دین جدید دور کے حالات کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

2. سیکولرزم کے حامی سود، پردہ، حدود الٰہی وغیرہ سے متعلق دینی احکامات کو لاگو کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ اُن کے نزدیک اِن احکام پر عمل درآمد کرنا رجعت پسندی، تعصب اور تنگ نظری ہے۔ یہ اُمور تہذیب، ترقی اور روشن خیالی کے منافی ہیں۔

3. سیکولرزم کے حامی ادیان کو برحق نہیں سمجھتے۔ وہ بظاہر تمام ادیان کا احترام کرتے ہیں لیکن اُن کے نزدیک کوئی دین دوسرے دین سے زیادہ معتبر نہیں۔ اُن کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ مختلف ادیان کے حاملین کے درمیان ایک قسم کی دوستی پیدا کی جائے۔
یہ بات اسلام کی حیثیت کے عین منافی ہے۔ اللہ کے ہاں قابل قبول دین فقط اسلام ہے۔ نیز اسلام اپنے مخالفین سے محبت و نفرت اپنے اُصول و قواعد کے مطابق سکھاتا ہے۔

4. سیکولرزم کے حامی دین کے داعیوں اور علما کا دائرہ زیادہ سے زیادہ تنگ کرتے ہیں تا کہ اُن کا معاشرتی اثر ورسوخ کم کیا جائے۔ وہ انھیں پس ماندہ، تنگ نظر اور جامد قرار دیتے ہیں۔ سیکولرزم کے حامی جہاد کی بجائے فقط ایسی دفاعی جنگ کے قائل ہوتے ہیں جو مادی مفادات کے لیے ہو، وہ دین کے غلبہ کی جنگ کو شر اور فساد قرار دیتے ہیں۔

5. سیکولرزم کے حامی دین کی بجائے وطن، قوم، رنگ، نسل اور قومی مفاد کے نام پر لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ سیکولر پارٹیوں میں دین کی بنیاد پر کوئی تقسیم نہیں ہوتی بلکہ دیگر مفادات و معیارات پر تقسیم عمل میں لائی جاتی ہے۔

6. سیکولرزم کا ہم نوا علما کا طبقہ، جدیدیت پسند ہوتا ہے جو اسلام کو کھینچ تان کر مغرب کے مطابق قرار دیتا ہے یا مغرب کے اُصولوں کو اسلام کی اصلی تصویر سمجھتا ہے۔

7. سیکولرزم کے حامی ثانوی درجے کے دینی مسائل پر خوب توجہ دیتے ہیں، لیکن اسلام کے بنیادی اور مہتم بالشان مسائل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وہ دین کے فروعی اختلافی مسائل کو نمایاں کرتے ہیں لیکن دین کے متفقہ اور اجماعی اُمور نظر انداز کر دیتے ہیں۔

8. سیکولر میڈیا میں دینی پروگراموں کا حصہ پانچ فیصد سے بھی کم ہوتا ہے اور ۹۵ فیصد حصہ تفریحی یا معلوماتی پروگراموں پر مشتمل ہوتا ہے۔ سیکولر میڈیا کے دینی پروگرام اپنے معیار کے لحاظ سے انتہائی گھٹیا اور محدود موضوع کے حامل ہوتے ہیں۔ سیکولر پرنٹ میڈیا میں دین کی حیثیت ایک صفحے پر مشتمل ہوتی ہے جو 'دینی صفحہ' کہلاتا ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ سیکولر لوگ دین کو فقط روحانی اُمور یا انفرادی زندگی تک محدود سمجھتے ہیں۔

9. سیکولر نظام تعلیم میں دینی علوم کی نفی بجائے، ان کو نماز روزے اور شخصی عقائد و رسومات تک محدود کر دیا جاتا اور ان کا نصاب چند ورقوں پر مشتمل رسالہ ہوتا ہے۔ جو کبھی غیر علما اور کبھی غیر مسلم مفکرین کا تحریر کردہ ہوتا ہے۔ سیکولر جامعات میں مذہبی علوم ایک ڈیپارٹمنٹ پر مشتمل اور یونیورسٹی کے کونے کھدرے میں پائے جاتے ہیں، ان کو کسی دین سے منسوب علوم جیسے اسلامیات و عیسائیت کی بجائے زیادہ مناسب طور پر 'تھیالوجی' یا 'مذہبی علوم کا شعبہ' کہا جاتا ہے۔ ان میں کوئی اس مذہب سے غیر وابستہ جیسے ہندو شخص بھی ان علوم جیسے اسلامیات کی ڈگری حاصل کر کے، مستند و فاضل ٹھہر سکتا ہے، کیونکہ مذہبی علم کو معروضی طور پر عمل و پیروی سے بالاتر ہو کر پڑھا پڑھایا جاتا ہے۔ ایسے تعلیمی شعبوں میں تمام مذاہب کے مابین رواداری کی تلقین کرتے ہوئے، تمام

مذاہب واہل مذاہب کو ایک میز پر ایک یکساں اور متفقہ حق کی جستجو میں مگن دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں کام کرنے والے لوگ کسی مذہب کی حقیقت پر یقین رکھنے کی بجائے مذاہب کی مشترکہ سچائیاں تلاش کر کے ایک عالمی مذہب بنانے میں کوشاں نظر آتے ہیں۔ یونیورسٹی کے باقی تمام علوم کے شعبوں میں بھی حسبِ ضرورت متعلقہ مذہب کی عبادات واخلاق پر مشتمل ایک رسالہ زیر تعلیم ہو سکتا ہے، لیکن کسی مخصوص علم کی رہنمائی اور اس کے بارے میں الہامی تعلیم کے بارے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھی جاتی۔

10. عالم اسلام میں سیکولرزم کے مشہور داعی یہ ہیں:

مصر: احمد لطفی، اسماعیل مظہر، قاسم امین، طہٰ حسین، جمال عبد الناصر، انور سادات

ترکی: مصطفی کمال اتاترک، وغیرہ

ہندوستان میں ۱۷۹۱ء تک قانونِ سلطنت شریعت اسلامی کے مطابق تھا، پھر انگریز کی حکومت میں بتدریج شریعت کو معطل کیا گیا اور ۱۸۵۰ء تک یہ عمل مکمل ہو گیا۔

مصر، الجزائر، تیونس، مراکش، ترکی، عراق اور شام میں بھی اِسی طرح شریعت کو بتدریج لغو کیا گیا۔

11. نظری طور پر سیکولر نظام حکومت کے تین اہم عناصر ہوتے ہیں: مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ

عملی طور پر نظامِ حکومت اشرافیہ کا ہو یا جمہوریہ کا، فوجی آمریت کا ہو یا شہری آمریت۔ دین کے الغا پر تمام سیکولر حکومتیں متفق ہوتی ہیں۔

یورپ میں سیکولرزم کی ابتدا کیسے ہوئی؟

یورپ میں سیکولرزم کی آمد سے قبل عیسائیت رائج تھی لیکن یہ دین عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ہی پولس کے ہاتھوں تحریفات کا شکار ہوگیا۔ تثلیث اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دینا بنیادی ترین تحریفات تھیں۔

عیسائیت کی تحریف : عیسائیت سے قبل روم میں ایسے دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی تھی جن کا عوام کی عملی زندگی پر کوئی اثر نہ تھا۔ دیوتاؤں کی مندروں میں پوجا پاٹ کی جاتی لیکن عوام مندروں سے باہر اپنی عملی زندگی میں آزاد ہوتے۔ رومی عوام نے عیسائیت کو قبول کیا تو صورتِ حال کچھ زیادہ تبدیل نہ ہوئی۔ عیسوی شریعت کو سرکاری سطح پر نفاذ کا کبھی موقع نہ ملا اور وہ عوام کی عملی زندگیوں پر بھی لاگو نہ ہو سکی۔ کلیسا نے سیاسی مقبولیت تو حاصل کر لی لیکن دین اور ریاست کی تفریق مکمل عیسوی تاریخ میں قائم رہی بلکہ کلیسا نے اِسے ایک اُصول کے طور پر بھی قبول کر لیا۔

عیسائیت میں سب سے بڑی بدعت مذہبی پیشوائیت تھی۔اِسی بدعت کے تحت اللہ کے حلال وحرام میں مداخلت کی گئی،انسانوں کو ربّ تک پہنچنے کاذریعہ قرار دیا گیااور غیر فطری انسان کش رہبانیت کو جنم دیا گیا۔ عیسائی مذہبی پیشوائیت نے لوگوں کو بخشنے اور محروم کرنے کااختیار انسان پادریوں کے سپرد کیاجو پیسوں کے بدلے بخشش کے سرٹیفکیٹ کھلے عام فروخت کرتے۔

کلیسا کاجبرِ اَدیان کی تاریخ کابدترین جبر تھا۔اُس نے اپنے دنیوی مفادات کے لیے ظالم بادشاہوں کی پشت پناہی کی،روم کی اَن پڑھ جاہل عوام کو صدیوں تک اپناغلام بنایا۔ مخالفین پر محکمہ تفتیش کے ذریعے ظلم وستم کا بازار گرم کیا۔ کلیسا کے طرف سے صدیوں تک کئی قسم کے مذہبی ومعاشی ٹیکس وصول کیے گئے جو عوام پر بھاری بوجھ تھے۔ عوام کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ کلیسا حیا، زہد، معافی اور درگزری کی تعلیمات کی خود خلاف ورزی کرتا۔ وہ بادشاہوں سے بڑھ کر ظالم، عیاش اور مال پرست ثابت ہوا۔

کلیسا کے خلاف تحریکیں : کلیسا کی اِن خرابیوں کے خلاف بڑی بڑی عوامی اور عقلی تحریکیں اُٹھ کھڑی ہوئیں جیسے مارٹن لوتھر کی تحریک اصلاحِ مذہب اور تحریک احیاے علوم۔ اُمرا اور بادشاہ جو کلیسا کی طاقت سے خائف تھے ، نے اِن کا ساتھ دیا۔ کلیسا کا زور بتدریج ختم ہوتا چلا گیااور ردّ عمل میں سیکولرزم کا آغاز ہوا۔جدید علم نے خرافات پر مبنی مذہبی عقائد کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ کاپر نیکس نے اس کلیسائی عقیدے پر ضرب لگائی کہ زمین کائنات کا مرکز ہے۔ برونو اور گلیلیو نے اس کام کو مزید آگے بڑھایا۔ لوگوں کے ہاں کلیسا کا علم مشکوک ہو گیا۔ ڈیکارٹ، بیکن اور لاک نے وحی کے مقابلے میں عقل و تجربے کی عظمت کو پیش کیا۔ سپائی نوزا اور پاسکل نے اناجیل میں فاش غلطیاں پکڑیں۔ نیوٹن نے کائنات کا ریاضی اُصولوں کے مطابق ہونا ثابت کیا۔ پورے یورپ میں ڈی ازم کی تحریک چلی کہ خدا نے کائنات کو پیدا کیا لیکن وہ کائنات سے لاتعلق ہے۔ کائنات اپنے اصولوں کے مطابق خود بخود چل رہی ہے۔ یہی نظریہ بعد میں خدا کے انکار تک پہنچا۔ عقل پرستی اور فطرت پرستی کے اندھے رجحانات وحی اور کتاب مقدس پر غالب آئے۔

انقلاب فرانس : انقلابِ فرانس(۱۷۸۹ء) تک کلیسا اور علم کی کشمکش خواص تک محدود تھی لیکن انقلاب فرانس کے بعد عوام تک پھیل گئی۔ عوام نے دین کو ترک کیا اور اُس کی دشمنی میں دیوانے ہو گئے۔

انقلاب فرانس ایک خون ریز انقلاب تھا جو بادشاہوں، جاگیر داروں اور مذہبی پیشواؤں کے ظلم واستحصال کے خلاف پیدا ہوا۔ یہ یورپ کا پہلا انقلاب تھا جس نے عوام کی حاکمیت پر مبنی حکومت قائم کی اور اللہ کی حاکمیت کا صریح انکار کیا۔ بادشاہوں اور کلیسا کے خزانے لوٹ لیے گئے۔ دینی عقائد کا شدت سے انکار کیا گیا۔ انقلاب سے قبل معاشرتی وسیاسی مفکرین نے فطری اور مثالی ریاست کے لادین نظریات پیش کیے۔ فلاسفہ نے دین سے آزادی کی دعوت دی جو خالص زندیقیت تھی۔ عوام لادین مفکرین اور فلاسفہ کے ہم نوا ہو کر کلیسا کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ لادینیت پر مبنی آزادی، مساوات اور اُخوت کے تصورات 'بنیادی انسانی حقوق' کہلائے۔ انقلابِ

فرانس کے بعد یورپ کے تمام حصوں میں انقلابات جوالہ مکھی کی طرح پھٹ پڑے۔ دین اور کلیسا کا اثرورسوخ ختم ہو گیا۔ عقائد اور اقدار میں خوف ناک خلا پیدا ہوا جس کو لادین فکری معاشرتی اور سیاسی تحریکوں نے پر کرنے کی کوشش کی۔

ڈارون تھیوری : دین کے تابوت میں آخری کیل ڈارون کے نظریۂ ارتقا(۱۸۵۹ء) کے ذریعے ٹھوکا گیا۔ ڈارون نے یہ تھیوری پیش کی کہ انسان کائنات کی اندھی قوتوں کے تحت بندر سے بتدریج انسانی نوع کی شکل اختیار کر گیا۔ اس کی کوئی خاص تخلیق نہیں اور نہ کوئی مخصوص ہدف۔ یہ کوئی باقاعدہ علمی نظریہ نہ تھا لیکن یورپ کی دین بے زار فضا میں اس کو مسلمہ قاعدہ سمجھا گیا۔ یورپی ماہرین نے اِس نظریے کی فنی و منطقی تردید کی اور اس کے کئی حصے ابھی بھی محتاجِ ثبوت ہیں لیکن انکار خدا کے شدید تقاضوں کے زیر اثر عوام میں بے حد مقبول ہو گیا۔ مستقل اقدار اور اخلاق کا تصور ختم ہو گیا۔ نطشے، مارکس اور فرائڈ جیسے دہریے اور دین کے پکے دشمن یورپ کے امام ٹھہرے جو زندگی کو مادہ پرستی اور جنس پرستی میں غرق کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ انسانی علوم مقصد و غایت سے جدا ہو کر بے ہدف میکانزم پر استوار کیے گئے۔ انسانی نسل کا ایسا خوف ناک فکری وجذباتی بحران برپا ہوا کہ یورپ کا فن و ادب محرومی اور قلق کے کرب ناک احساسات سے بھر گیا۔ انسان کی حیوانیت اور مادیت مسلم ہوئی تو اقتصاد، سماجیات اور نفسیات کے علوم حرص و ہوس اور شہوانیت سے لبریز ہو گئے۔ دین، شادی اور خاندان کو انسان کے قدیم دور کی خرافات کہا گیا۔ جدید علم کا دور بزعم خود انسان کے بنائے ہوئے اِن من گھڑت خیالات کی گنجائش نہیں رکھتا۔

یورپی شعبہ ہائے زندگی میں سیکولرزم کا ارتقا

سیاست : مسیحی دور میں کلیسا کو انتہائی قوت نصیب ہونے کے باوجود عیسوی شریعت ملکی قانون نہ بن سکی۔ لیکن اس کے باوجود مسیحیت کا شہنشاہوں اور عوام کی زندگی پر بڑا گہرا اثر ہوتا تھا۔ شہنشاہ دین پر عمل نہ کرتے تھے لیکن خود کو دین کا سپاہی مانتے اور ملک میں دین کی مکمل سرپرستی کرتے۔ کلیسا کو شاہوں کے زیر سایہ دین کو پروان چڑھانے کی مکمل آزادی تھی اور اُن کا شاہوں کو عوامی مقبولیت دلانے میں خاص کردار ہوتا۔

یورپی سیاست میں لادینیت کی ابتدا اُس وقت ہوئی جب یورپی مفکرین نے ایک تخیلاتی ریاست کا نقشہ پیش کیا۔ اس نقشے میں دین کے بغیر ایک عمدہ ریاست کا امکان پیش کیا گیا۔ اس کے بعد 'معاہدۂ عمرانی' کا تصور پیش ہوا کہ ریاست عوام اور حکمران کی باہمی رضامندی اور معاہدہ پر مبنی ہوتی ہے۔ معاہدۂ عمرانی کے قائلین میں سب سے بڑا مفکر روسو تھا۔ روسو نے ریاست کو دین سے الگ قرار دینے پر زور دیا۔ روسو کی کتابیں مذہب کے خلاف اعلانِ جنگ تھیں۔ انقلابِ فرانس کے ساتھ ہی لادین وطنیت، قومیت اور دنیویت کو مقبولیت ملی اور مسیحیت، دینی عالم گیریت اور اُخرویت کو زوال آگیا۔ مسیحی دور میں میکیاولی نے ریاست کو دین، انسانیت، اخلاق اور اُصول سے یکسر آزاد قرار دیا۔ کلیسا نے اُس کی کتابوں پر پابندی لگائی لیکن یورپ میں الحاد عام ہوتے ہی اُس کو پھر عروج نصیب ہوا۔

یورپ میں دین کے زوال کے ساتھ ہی اجتماعی نظام کی جگہ انفرادی نظام غالب آگیا یعنی دینی قوم، دین کا محافظ بادشاہ، زرعی جاگیردار اور کلیسا جو وسیع دینی اجتماعیت کی علامات تھیں، اُن کے بجائے انفرادی سرمایہ داری، انفرادی منفعت اور انفرادی حریت غالب آگئی۔ اس انفرادی نظام کو لادین لبرل ڈیموکریسی کہا گیا۔اس کا سب سے بڑا دعویٰ تھا کہ وہ فکری، معاشرتی، معاشی اور سیاسی آزادیاں اور حقوق دیتا ہے۔ انقلابِ فرانس کے بعد یہ یورپ کا مقبول ترین نظام تھا لیکن جلد ہی پتہ چل گیا کہ ڈیموکریسی سرمایہ داروں کا عوام کو دبانے اور پیسنے کا ایک آلہ ہے۔ یہ مال داروں کی آمریت ہے۔ اس میں سرمایہ دار میڈیا کے ذریعے عوام کی رائے کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ اس میں عام اور خاص کی رائے برابر ہوتی ہے۔ اس میں اکثریت کی رائے کے احترام کا دھوکہ ہوتا ہے لیکن عملاً سرمائے کی حکومت ہوتی ہے۔ لبرل ڈیموکریسی کبھی بھی دین کو عملاً نافذ نہیں کرتی بلکہ دین کو کمزور کرتی ہے تاکہ انفرادی حریت کا تحفظ ہو۔

لبرل ڈیموکریسی کے ردّعمل میں کمیونزم کا تصور آیا۔اِس کا خیال تھا کہ تمام مسائل کی جڑ انفرادی ملکیت ہے لہٰذا اس کو ختم کرکے مزدوروں کی حکومت قائم کی جائے جو تمام ملکیّتوں کو ریاست کے کنڑول میں لاکر خوش حالی کو تمام خاص وعام تک پہنچائے۔ کمیونزم تاریخ کی بدترین آمریت ثابت ہوئی جس میں حکمران پارٹی نے عوام کو جبر واستبداد کے شکنجے میں اس قدر کسا کہ کلیسائی دور کے جاگیردار اور شہنشاہ بھی شرما جائیں۔ کمیونزم لبرل ڈیموکریسی کے مقابلے میں دین کا سخت دشمن ثابت ہوا۔ اُس نے اپنے علاقوں سے دین کی تمام علامات، رسوم اور طریقوں کو بالجبر مٹاڈالا۔ دہریت پورے پورے ملک کا سرکاری جبری دین قرار پایا۔

اقتصاد : مسیحی دور میں رہبانیت کے زیر اثر ہر قسم کی کمائی اور معاشی دھندے کو برا سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جب کلیسا کی بداعمالیوں کے سبب لوگوں کا مسیحیت پر اعتماد کمزور ہوا تو کئی لادین اقتصادی نظریات پیدا ہوئے۔ جن میں سب سے پہلا فطرت پرستی (فزیو کریسی) تھا۔ اس مکتب فکر کا خیال تھا کہ جس طرح کائنات طبعی اصولوں کے مطابق چل رہی ہے اسی طرح اقتصاد کو بھی کھلا چھوڑ دیا جائے تو وہ فطری اصولوں پر خود بخود چلتی ہے۔ فطرت پسندوں کا خیال تھا کہ دین فطرت کے منافی ہے۔ فطرت پسندی کے نظریے کو نوزائیدہ سرمایہ دار طبقے نے خوب استعمال کیا اور مال داروں کے تمام غیر انسانی طریقے فطری قرار پائے۔ حریت عمل، حریت فرد اور ذاتی مصلحت کی آڑ میں عوام کو خوب لوٹا گیا، آخر کار فزیوکریسی کا نظریہ متروک قرار پایا۔

فطرت پسندوں کے بعد لادین سرمایہ داری مقبول ہوئی جو 'کلاسیکل سرمایہ داری' بھی کہلاتی ہے۔اس کا سب سے بڑا مفکر آدم سمتھ تھا جس نے خود غرضی، حرص وحسد اور ذاتی منفعت کو عین خیر قرار دیا، اس سے پہلے یہ اوصاف دین کے زیر اثر صدیوں سے مذموم قرار دیے جاتے تھے۔ آدم سمتھ کے اُس دور کے استعمار پسندوں پر نہایت خوف ناک اثرات پڑے۔ دوسرا اہم کلاسیکی سرمایہ دار مفکر مالتھس تھا جس نے آبادی پر کنڑول کا نظریہ پیش کیا۔ اس کا خیال تھا کہ غریب لوگوں پر خرچ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ غیر

پیداواری خرچ ہے اور جب تک کوئی شخص کوئی خدمت پیش نہ کرے، اس کو روٹی نہیں ملنی چاہیے۔ اس کا خیال تھا کہ محروم طبقے معاشرے پر غیر فطری بوجھ ہیں جو کثرتِ پیدائش کی وجہ سے ہیں۔

کلاسیکل سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ کے نتیجے میں کمیونزم کا تصور پیدا ہوا۔ اس تصور کے لوگ خاندان، شادی، انفرادی ملکیت، دین اور فضائل و نیکیوں کو ڈھکوسلا سمجھتے تھے جو سرمایہ دار طبقے نے عوام کو لوٹنے کے لیے ایجاد کیے۔ کمیونزم دین کا سخت دشمن تھا اور ساری انسانی تاریخ کو معاش کی جنگ قرار دیتا۔ کمیونزم کے اہم نظریات میں ہیگل کی جدلیت، ڈارون کا تنازع للبقا، فیرباخ کا الحاد اور مارکس کی مادیت، تاریخ کی مادی تشریح اور انفرادی ملکیت کے خاتمے کا تصور ہے۔

لادین اقتصاد کے دو بڑے ستونوں لبرل سرمایہ داری اور کمیونزم کی وجہ سے ساری دنیا دو بڑے بلاکوں میں تقسیم ہوئی:

۱۔ امریکی بلاک جو سرمایہ دار ملکوں کا سربراہ ہے۔ ۲۔ روسی بلاک جو کمیونسٹ ملکوں کا سربراہ ہے۔

سرمایہ دار ملکوں کو آزاد دنیا قرار دیا جاتا ہے حالانکہ خدا کے انکار اور مادیت کی وجہ سے وہاں بدامنی، بے سکونی اور جرائم عام ہیں۔ خیر و شر کا فرق مٹ چکا ہے۔ انسانوں پر آلات کی حکمرانی ہے۔ اخلاقی روایات، سعادت اور نیکی کے تصور ختم ہو گئے۔ میڈیا اپنے پروپیگنڈے سے ایک فکری جبر قائم کیے ہوئے ہے۔ سرمایہ دار طبقہ اپنے اقتدار کے لیے ہر جائز و ناجائز طریقے استعمال کرتا ہے۔

کمیونزم بھی مادیت، اخلاقی دیوالیہ پن اور الحاد میں سرمایہ داروں سے پیچھے نہیں۔ اُس نے دین، شادی اور دینی اخلاق کو ریاستی جبر سے منہدم کر دیا ہے۔ اس پر مستزاد اُس کا عوام و مزدوروں پر خوف ناک تسلط ہے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ریاست کا غالب ترین حصہ ایک تاریخی استبداد کا شکار ہے۔

علوم : مسیحیت اور سائنس کے درمیان کشمکش کا آغاز اُس وقت ہوا جب کلیسا نے کہا کہ زمین چپٹی ہے اور سائنس نے کہا: گول۔ کلیسا نے کہا کہ زمین کائنات کا مرکز ہے اور سائنس نے کہا کہ زمین سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔ کلیسا نے مکمل بائبل کو وحیِ الٰہی کہا اور عقل پرست مفکرین نے اس میں سے فاش غلطیاں ڈھونڈ نکالیں۔ کلیسا نے رہبانیت کو متبرک قرار دیا اور جدید علم نے اِسے انسانی ہلاکت کا یقینی ذریعہ ثابت کیا۔

اس کشمکش میں دین مغلوب ہو گیا۔ دین کو خرافات اور جھوٹے افسانوں پر مبنی سمجھا گیا۔ علوم و فنون میں دین کی رائے کو علمیت کی شان کے منافی سمجھا گیا۔ علم اور دین کے درمیان عارضی تعارض کو ایک مستقل مخاصمت میں بدل دیا گیا جس میں یہ سمجھا گیا کہ دین ہمیشہ غلط ہو گا اور سائنس کی بات ہمیشہ درست ہو گی۔ فلاسفہ کے نزدیک 'فکری آزادی' آزادی کی سب سے بڑی قسم قرار پائی۔

علم اور دین کے درمیان جدائی ڈالنے سے معاشرے پر خوف ناک اثرات ظاہر ہوئے۔ ہر قسم کے تعلیمی مناہج اور بحث و تحقیق کو دین کے ہر رنگ سے الگ کر دیا گیا۔ معاشرے کا غالب ترین حصہ جو مادی علوم کا طالب علم تھا، دین پر اپنے اعتقاد کو قائم نہ رکھ سکا۔ معاشرے میں پڑھے لکھے ملحدوں کی ایک فوج ظفر موج تیار ہوگئی۔ دین کو ماننے والے ضعیف العقل اور بے وقوف قرار پائے۔ ڈیکارٹ کی پیدا کی گئی علم اور دین کی جدائی ایک مستقل تفریق میں بدل گئی۔ ڈارون تھیوری نے انسانی زندگی کو بے مقصدیت کے سمندر کے حوالے کر دیا۔ اس سے انسانی نسل انار کی، قلق، محرومی اور ناقدری سے بھر گئی۔ لاتعداد فلسفیانہ مکاتب فکر پیدا ہوئے جو باہم دست و گریبان تھے۔ تاریخ انسانی میں پہلی دفعہ اخلاقی اقدار اور خالص عقل کے درمیان جنگ ہوئی۔ علم معرفتِ الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے لیکن یورپ اس سے محروم ہوا۔ یورپی علم کئی صدیوں سے استقرار کا حامل نہیں۔ ہر صدی کے مفکر پچھلی صدی کے مفکرین کا رڈ کرتے ہیں۔

معاشرت واخلاق: قرونِ وسطی میں اخلاق واقدار مستقل بالذات اور دین کی سند پر قائم تھیں۔ لوگ خیر و شر کی پہچان کے لیے دین کو پیمانہ بنانے کے عادی تھے۔ کلیسا بذاتِ خود افراط و تفریط کا شکار تھا لیکن اس کے باوجود مسیحی اخلاق سے خروج کو ناپسند کیا جاتا۔

جب لادین مفکرین کا دور آیا تو میکیاولی اور ہوبز نے کلیسا کے مدمقابل یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان فطرتاً شریر ہے اور وہ ایک دوسرے کے مقابلے میں بھیڑیا ہے۔ سپائی نوزا نے لذت کو فی نفسہٖ خیر قرار دیا اور اَلم کو فی نفسہٖ شر۔ آگسٹ کومٹے نے الٰہی دین کے مقابلے میں انسانی وضعی دین کی بنیاد رکھی۔ اس کے خیال میں انسانی وضعی دین فطرت کے عین مطابق ہے اور الٰہی دین فطرت کے مخالف۔

روسو کا خیال تھا کہ اخلاق کے لیے ایمان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ محض دنیوی مصالح سے ہی اخلاق تشکیل پاتے ہیں۔ وہ فرانسیسی انقلاب کا ہیرو تھا اور اُس کی کتاب سوشل کنٹریکٹ یعنی 'معاہدہ عمرانی' فرانسیسی انقلاب کی انجیل۔

کانٹ نے انسانی اخلاق کے تین مراحل بنائے۔ پہلے مرحلے میں اخلاق خرافات پر مبنی تھے۔ پھر ادیان کے زیر اثر آئے، اب وہ انسانی علوم کے مرحلے میں ہیں۔ ہر مرحلہ پچھلے مرحلے سے آزاد ہوتا ہے۔ کانٹ کے نزدیک دینی اخلاق لغو اور وہم ہیں۔ ادیان کے تصور اُلوہیت و آخرت کی جگہ پر انسانیت کو لانا چاہیے۔

درخائم کلاسیکی معاشرتی مفکر ہے۔ اس کے خیال میں معاشرے کی مجموعی عقل اندھی بہری ہوتی ہے اور نامعلوم اسباب وعلل کے تحت فیصلے کرتی ہے اور اسکے سامنے انفرادی عقل بے بس ہوتی ہے۔ ادیان کی فکر بھی اللہ سے نازل نہیں ہوئی بلکہ یہ مختلف نفسیاتی انفعالی جذبات کا نتیجہ ہے۔ ہر معاشرے نے اپنے معبود خود گھڑ لیے۔

کمیونزم نے بھی خدا کا انکار کیا اور فقط مادے پر ایمان لایا۔ اس کے نزدیک حقیقتِ اولی فقط مادہ ہے۔ ادیان، اخلاق اور خاندان کے تصورات اس لیے گھڑے گئے تا کہ بورژوا طبقہ پرولتاری طبقے کا استحصال کر سکے۔

یورپ کا مقبول عام معاشرتی واخلاقی مکتبِ فکر جرمی بینتھم کا نظریہ نفعیت ہے۔یعنی خیر وہی ہے جو دنیامیں زیادہ سے زیادہ لوگوں کے دنیوی افادے کا سبب بنے۔یہ تصور آخرت پرستی اور للہیت کی ضد ہے۔

۲۱ ویں صدی میں تحلیل نفسی اور سلوکیت کے نفسیاتی مکاتبِ فکر نے انسان کو مجبورِ محض قرار دیا۔انسان یا تو لاشعور کے ہاتھوں مجبورِ محض ہے یا خارجی واقعات کا میکانکی معلول۔ان مکاتب نے انسان کو محض ایک حیوان یا مادہ قرار دیا۔

نسوانیت : کلیسائی اور جاگیر داری دور میں عورت کو کم تر مخلوق سمجھ کر اُس کو ادنی اور رذیل زندگی پر مجبور کیا جاتا۔لیکن اُس دور کی عورت مرد کی عزت وناموس سمجھی جاتی اور اُس کی بے پناہ حفاظت کی جاتی۔

انقلاب فرانس کے بعد عورت کے حقوق کی پہلی چنگاری پھوٹی۔ صنعتی انقلاب کے بعد عورت گھر کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے علاوہ صنعتوں میں مزدوری بھی کرنے لگی۔اُس نے بتدریج سیاسی حقوق کا مطالبہ بھی کیا۔بالآخر وہ معاشرتی وسیاسی سطح پر مرد کے برابر قرار پائی۔اُسے مساوات، معاشی استقلال اور آزادانہ ماحول نصیب ہوا۔ ۱۹۵۰ء تک عورت کو معاشرتی وسیاسی حقوق تو حاصل ہوگئے لیکن 'حقوق کی تحریک' آزادی کی تلاش میں مزید آگے بڑھ گئی۔عورت بتدریج گھر بار، خاوند اور بچوں کی ذمہ داریوں سے آزاد ہوئی۔طلاقیں عام ہوئیں، تنہاماؤں کا بڑا گروہ وجود میں آیا، سیکس انڈسٹری مضبوط ہوئی اور ۱۹۶۰ء میں مانع حمل گولیوں کی ایجاد سے فحاشی مزید آزاد ہوگئی۔

عورت کی مادر پدر آزادی کے ساتھ ہی بے شمار اخلاقی مفاسد پیدا ہوگئے۔زنا سے پیدا ہونے والے بچے، گھریلو خاندانی زندگی کا انہدام، عورت کے مسائل میں اضافہ...اس نئی طرز زندگی کے کڑوے پھل تھے۔بچوں کی تربیت ماں باپ کے بجائے نرسری ہومز کے سپرد ہوئی جہاں سے وہ کئی انحرافات کا شکار ہوئے۔ کھلی جنسی آزادی کے باوجود جنسی انحرافات اور ہم جنسی پرستی عام ہوئی بلکہ قانوناً جائز قرار پائی۔خاندانی بگاڑ کی وجہ سے جرائم، نفسیاتی امراض اور منشیات کے استعمال میں بے پناہ اضافہ ہوا۔عورت کی آزادی اور بدلے میں خاندانی تباہی کے مصائب کمیونسٹ معاشرے کا بھی حصہ تھے لیکن وہ اُس کو صرف سرمایہ دار دنیا کا حصہ بتلاتا رہا۔

عصر حاضر میں تحریک حقوق نسواں کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اُس نے اپنا ایجنڈا اقوام متحدہ کے بنیادی چارٹر میں داخل کرالیا ہے۔جس کے مطابق جنس کے اعتبار سے عورت و مرد کے حقوق برابر ہیں۔۱۹۵۵ء کی خواتین عالمی کانفرنس کے بعد اکثر ممالک نے اسی ایجنڈے کو قبول کر لیا ہے۔مغرب کے تمام اہم سیاسی واقتصادی نظریات اس وقت اقوام متحدہ کے جھنڈے تلے دنیا میں پروان چڑھ رہے ہیں، جیسے معاشرے میں سیاسی تفریق، عوامی حاکمیت، قومیت کا نظریہ اور ہم جنس پرستی وغیرہ

اسلام نے عورت و مرد کو ایک دوسرے کا تکملہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو بے پناہ حقوق دیے ہیں لیکن اُس کا دائرہ کار مرد کے دائرہ کار سے مختلف بنایا ہے۔ اللہ نے خاندانی انتظامی اُمور میں مرد کو عورت پر نگران بنایا ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ اللہ نے دونوں کے لیے الگ الگ حقوق و فرائض بھی مقرر کیے ہیں۔

ادب و فن : مسیحی دور میں فن و ادب دینی روایات اور کلیسائی اقدار کے ارد گرد گھومتا تھا۔ لیکن سترہویں صدی کے بعد عہد بیداری کے ساتھ ہی یونانی ورثے کو زندہ کیا گیا جس میں مذہبیت کا نام و نشان نہ تھا، اس کو نو کلاسیکی دور کے نام سے موسوم کیا گیا۔ چونکہ اِس دور کا فن و ادب کلیسائی الٰہ کے بجائے عام انسانی زندگی کو موضوع بناتا، اِس لیے اِس کو ہیومنزم کا نام بھی دیا گیا۔ دانتے، جیوتو اور شیکسپیئر اس دور کے اوّلین فن کار ہیں جنھوں نے دین سے آزاد فن و ادب کی عکاسی کی اور اُس دور سے آج تک فن و ادب دین سے آزاد ہی چلا آ رہا ہے۔ کلیسائی دور کے ادب و فن پر رہبانیت غالب تھی لیکن عہد بیداری میں ردّ عمل کے تحت اَبیقوریت [1]، لذت پسندی اور عقل پرستی غالب رہی۔ بیداری کے قائدین نے ہزار سالہ کلیسائی عہد کی عمارت منہدم کرنے کی کوشش جاری رکھی۔

انقلاب فرانس کے بعد جدید دور کا آغاز ہوا جس میں دو مکاتب فکر نہایت اہم ہیں :

1. رومانیت : اِس نے دینی ذوق و شوق کے بجائے محبت، حسن و عشق اور جذباتی خوشی والم کو موضوع بنایا۔ عقل و دین کے بجائے جذبات کی عکاسی ہوئی۔ آخرت کے بجائے دنیا کی سرمستی کو اجاگر کیا گیا۔ فطرت کو اللہ کی جگہ پر رکھ کر پوجا گیا۔

2. واقعیت : رومانیت مثالی کردار کی علم بردار تھی۔ واقعیت نے اِس کے برعکس عام انسان کی زندگی کو موضوع بنایا۔ واقعیت نے زندگی کے مسائل کے حل کی کوشش کی لیکن غیر دینی الحادی بنیادوں پر۔ یہ مکتبِ فکر دین، مذہب اور اقدار کا دشمن تھا۔ واقعیت نے دین پر براہ راست حملے کیے اور فحاشی و فسق و فجور کی کھلی دعوت دی۔

معاصر دور واقعیت سے لامعقولیت کی طرف سفر کا دور ہے : لامعقولیت زندگی کی ناقدری، بے بسی، بے گانگی اور روحانی تنہائی کو موضوع بناتا ہے۔ یہ فرائڈ، ڈارون جیسے ملحد مفکرین، عالمی جنگوں کے مسائل اور مذہب سے یکسر علیحدگی کی وجہ سے انسانی غم والم کو ادب و فن کا سب سے بڑا موضوع بناتا ہے۔

معاصر ادب کے دو بڑے رجحانات ہیں :

۱۔ اباحیت : یہ یورپ کے ہر دور کا اہم رجحان ہے لیکن معاصر ادب میں اباحیت عریاں جنسی ادب تک پہنچ گئی۔ ساٹھ کی دہائی میں غلیظ جنسی ادب ہر طرف پھیل گیا۔ انسان کی جنسی زندگی کی بھرپور تصویر کشی کی گئی۔

۲۔ ضیاع : یہ رجحان انسان کی تنہائی اور بیگانگی کو بیان کرتا ہے، جو جدید تہذیب کی ترقی اور مذہب کے زوال کے ساتھ ہی ہر بڑے شہر میں معاشرے کے ہر انسان کے جسم و جان کا حصہ ہے۔ زندگی کی بے مقصدیت کا احساس سارتر کی وجودیت کی شکل میں

انسان کو حریت میں غرق کرتا ہے اور کامو کے ہیرو کی شکل میں خالص لذات کو تلاش کرتا ہے۔ ضیاع کا ادب ادیان کا انکار کرتا ہے جس کی وجہ سے اُس پر گہری مایوسی اور قنوطیت چھائی ہے۔ وہ کسی بھی قدر کو مستقل تسلیم کرنے سے عاری ہے۔ اُس کا اپنی ذات پر اعتماد ختم ہو چکا ہے۔

عالم اسلام میں سیکولرزم کے داخل ہونے کی وجوہات

مغرب میں سیکولرزم اس لیے وارد ہوا کیونکہ اُن کا دین تحریف شدہ تھا جبکہ اہل اسلام میں سیکولرزم اِس لیے داخل ہوا کیونکہ وہ اپنے صحیح دین سے منحرف ہو گئے اور دین کے تقاضوں کا ساتھ نہ دے سکے۔

اہل اسلام کا اپنے دین سے انحراف : اہل اسلام کا اپنے دین سے انحراف سب سے پہلے عقیدے یعنی توحیدِ اُلوہیت کے مفہوم میں پیدا ہوا۔ مسلمان عبادت کے جامع تصور کو بھول گئے اور عبادت چند مخصوص اعمال اور اذکار وآوراد میں سمٹ آئی۔ زندگی کے تمام شعبے بتدریج اسلام سے خالی ہوتے چلے گئے۔ دین اور دنیا کی تفریق پیدا ہو گئی۔ تعلیم جہاد سے عاری ہو کر خالص صوفی تربیت میں تبدیل ہو گئی۔ اُمت مقبروں، مزاروں اور مردوں کے تقدس میں غلو کر کے شرک میں مبتلا ہو گئی۔ دین سے انحراف مغربی عسکری یلغار سے بھی پہلے واقع ہو چکا تھا۔

اہل اسلام کا دوسرا انحراف 'احکام الٰہی کی معاشرے پر حاکمیت کے تصور' میں تھا۔ صفوی اور مغلئی سلطنتیں تو ویسے ہی اسلام کی حقیقت سے دور تھیں لیکن اِس کے ساتھ ساتھ عثمانی سلطنت نے بھی شریعت کی حاکمیت کو آخری ادوار میں مکمل روح کے ساتھ نہ اپنایا۔ عثمانی دورِ زوال میں حنفی فقہ نے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا جس کی وجہ سے بالآخر مغربی وضعی قوانین درآمد کرنے پڑے۔ عثمانی فوجوں کی تربیت کے لیے غیر مسلم ماہرین کی امداد طلب کی گئی۔ عثمانی سلطنت نے شوریٰ کے بجائے جبر واستبداد کو لازم پکڑا حالانکہ ہمسایہ یورپی ممالک میں حریت کی تحریکیں برپا تھیں۔

اہل اسلام کا تیسرا انحراف قضاو قدر میں انحراف تھا۔ شروعِ اسلام میں ایمان بقضاو قدر ہمت، قوت اور اقدام پر اُبھارتا تھا لیکن آخری صدیوں میں یہ عقیدہ پستی اور ذلت کو برداشت کرنے کا ایک بہانہ بن گیا۔ یقیناً یہ انحراف سنتِ الٰہی سے غفلت کی وجہ سے پیدا ہوا۔ اہل تصوف نے دین و پس ماندگی اور کفر و ترقی کو لازم ملزوم سمجھا۔

اہل اسلام کی ذہنی پستی کا یہ عالم پیدا ہوا کہ وہ خود غیر مسلموں کی غلامی کے لیے تیار ہو گئے۔ مسلمان تاتاریوں سے بھی شکست خوردہ ہوئے تھے لیکن اُس وقت وہ ذہنی غلام نہ بنے تھے۔ ۱۹ ویں اور ۲۰ ویں صدی کی عسکری شکست تہذیبی اور فکری غلامی بھی ساتھ لائی۔ مسلمان لادین حریت اور مساوات کو عین مقاصدِ شریعت قرار دینے لگے۔ عوام قوت و حکومت کا مصدر

ٹھہرے۔لادین اشتراکیت کو اسلام کے مطابق قرار دیا گیا۔لادین جمہوریت کو اسلامی شوریٰ سے ماخوذ سمجھا گیا۔لادین دستور کو عدل پر مبنی قرار دیا گیا۔

مسلمانوں کی تاریخ بتلاتی ہے کہ وہ جب بھی شکست خوردہ ہوئے تو داخلی کمزوری کی وجہ سے ہوئے۔خارجی قوتیں جس قدر طاقت ور اور مضبوط ہوں،وہ مسلمانوں کو ہرا نہ سکیں،ہاں اُس وقت جب مسلمان خود اسلام سے دور ہوئے۔ مسلمانوں پر چار خارجی قوتیں حملہ آور ہوئیں اور انھوں نے مسلمانوں کو تباہ کیا۔

۱۔ **استعمار** :استعمار نے پورے عالم اسلام پر قبضہ کیا اور اِس دفعہ اُس نے خود کو ایک نئے روپ میں پیش کیا۔اُس نے کفر و اسلام کی جنگ کو محض اقوام اور ممالک کی جنگ قرار دیا چنانچہ عثمانیوں کے خلاف مسلمانوں کو فوج میں بھرتی کیا گیا۔ عالم اسلام کی جہادی تحریکیں جیسے مہدی سوڈانی، عمر مختار، عبدالقادر جزائری، شاہ اسماعیل شہید اور امام حسن البنا کی تحریک کو سختی سے کچلا گیا۔ استعمار نے بلادِ اسلامیہ پر قبضہ کرتے ہی وہاں سے شرعی قوانین لغو کیے۔ ۱۸۰۰ سے ۱۹۵۰ء کے دوران تمام اسلامی ممالک نے شریعت کو چھوڑ کر انسانی وضعی قوانین کو جاری کیا، ان معاشروں میں قرآن و سنت کی جگہ 'دستورِ مملکت' نے لینا شروع کر دی۔استعمار نے اسلامی نظام تعلیم کے مقابلے میں لادین نظام تعلیم رائج کیا۔

استعمار نے بعض علاقوں میں دینی تعلیم کے مراکز کو اصطبل بنایا۔ غیر اسلامی فرقوں اور گروہوں کو گمنامی سے نکال کر مسلم معاشروں میں تقویت دی گئی جیسے شام کے نصاریٰ، نصیریہ فرقہ وغیرہ۔ بعض نئے کافر فرقے پیدا کیے گئے جیسے بابی، بہائی اور قادیانی۔ استعمار نے بعض علاقوں میں ۹۹ فیصد اکثریتی مسلم علاقے میں غیر مسلم اقلیت کو حکومت سونپی۔ مسلمانوں کی نسل کو اپنا کارندہ بنانے کے لیے مخصوص افراد کو مسلمانوں کے راہنما بنا کر پیش کیا گیا۔

۲۔ **مستشرقین** : دوسرا خارجی عنصر مستشرقین کا تھا۔انھوں نے مسلمانوں کو اُن کے دین سے منحرف کرنے کے لیے علم کے نام پر ہر غیر علمی حربہ استعمال کیا۔ قرآن، نبی اکرم ﷺ اور اسلام پر اعتراضات اور شکوک کی بھرمار کی گئی۔ اسلام کو محض انفرادی دین کہا گیا۔ اسلامی تاریخ کے محاسن سلب کر کے عیوب نشر کیے گئے۔ مسلم عورت کو ذلیل قیدی کے طور پر پیش کیا گیا۔ عربی زبان اور اسلامی فقہ کو عصر حاضر کے ناموافق قرار دیا گیا۔ قدیم باطل فرقوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ قدیم لادین تہذیبوں کو اسلام کے مقابلے میں کھڑا کیا گیا۔ جیسے فرعونیت، فینقیت، آشوریت، حمیریت وغیرہ۔ مستشرقین نے اُصول تحقیق کا ایک ایسا غیر علمی منہج پروان چڑھایا جو اسلامی روایت سے یکسر کٹا ہوا تھا اور علم کے نام پر ایک دھوکہ اور فریب تھا۔

۳۔ **مبشرین** : تیسرا خارجی عنصر مبشرین کا تھا۔ یہ غریب مسلم عوام میں سکول، کالج، ہسپتال اور غذا اور روزگار کے کیمپ قائم کرتے اور مسلمانوں کی بڑی تعداد کو دینی روح سے بیگانہ کرتے۔ انھوں نے مسلم عورت کو دین سے دور کرنے کے لیے ادب و ثقافت کے نام پر

بے حیائی اور بے پردگی کو فروغ دیا۔ انھوں نے دین کی بنیاد پر دوستی دشمنی ختم کی، مسلمانوں کے خیر خواہ بن کر سامنے آئے لیکن عالم اسلام کی نگرانی اور جاسوسی کر کے استعمار کی خدمت کی۔

٤۔ عرب نصاریٰ : چوتھا خارجی عنصر عرب کے نصاری کا تھا۔ اُنھوں نے سب سے پہلے سیکولرزم، قومیت، وطنیت اور لادین عقلیت کی دعوت دی۔ انھوں نے لادین سیاسی پارٹیاں، الحادی ادبی مکاتب فکر اور مذہب بے زار سماجی گروہ قائم کیے۔ اُنھوں نے کہا کہ دنیا کی ترقی کے لیے مذہب کو خیر باد کہنا پڑے گا جیسے یورپ نے دین سے جی چھڑا کر ترقی کی۔

عالم اسلام میں سیکولرزم کے اثرات

سیاست و قانون : ترکی: قرونِ اخیرہ میں عالم اسلام اسلام کے مثالی سیاسی نظام سے کافی حد تک ہٹ چکا تھا اور اُس پر ایک گہرا جمود بھی طاری ہو چکا تھا۔ عوام اور حکمران اسلامی تصورات اور اُن کی عملی تطبیق میں کمزوری کا شکار تھے۔ مسلمانوں کا زوال اتنا خوف ناک تھا کہ وہ خود سیکولرزم کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے۔ شروع میں اصلاحات کا نعرہ لگایا گیا۔ اصلاح کی ضرورت مسلم تھی لیکن اُس کا طریق کار دھندلا تھا۔ چنانچہ اصلاحی مفکرین نے مغربی تمدّن کی ہیبت مسلم عوام کے دلوں میں پیدا کی اور اسلام کی عظمت کو کمزور [2] کیا۔ آخر انقلابی تحریک پیدا ہوئی جس نے سلطان عبدالحمید کے وسیع اختیارات ختم کر کے دستوری حکومت کا مطالبہ کیا۔ عوام و خواص سلطان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ۱۹۰۹ء میں انہیں خلافت سے بالجبر علیحدہ کر دیا گیا اور بتدریج ایک دستور نافذ کیا گیا جو لادین اہداف پر مشتمل تھا، یعنی وطن کے نام پر مسلم و غیر مسلم کو برابر قرار دیتا، حریتِ مذہب پر زور دیتا۔ اُس نے شرعی عدالتوں کو معطّل کیا اور اسلام دشمن عناصر کو کھلا چھوڑ دیا۔

ترکی کے اس دور کے سیاسی حالات کے نتیجے میں کمال اتاترک ترکی کا نجات دہندہ بن کر سامنے آیا۔ اس نے خلافت کا منصب ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ دینی حکومت کو لادین جمہوریت میں ڈھالا۔ دینی آثار و شعائر کو بالشویک [3] حکومت کی طرز پر جبری طور پر ملک و قوم سے مٹایا اور مغربی قوانین کو عملًا لاگو کیا گیا۔

مصر: مصر کا سیکولرزم برطانوی قبضے کے دوران مستحکم ہوا۔ مصر کی پہلی سیاسی جماعت حزبِ وطنی ۱۸۸۲ء میں قائم ہوئی جس نے لادینی طرزِ سیاست کو فروغ دیا۔ مصر میں روشن خیالی کی ترویج کے لیے استعمار نے تحریک اصلاح کی سرپرستی کی جس کے لیڈر محمد عبدہ تھے۔ محمد عبدہ کے اپنے دور کے عوام و خواص پر بڑے اثرات تھے۔ اس نے مغربی قوانین سے اخذ و استفادہ کو مسلم عقلیت کے لیے قابل قبول بنایا۔ اس کے بعد سیکولرزم کے داعیوں کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا۔ عبدالرحمن کواکبی نے ۱۹۰۲ء میں دین وسیاست کو الگ کرنے کی دعوت دی۔ شریعت پر حملے کیے اور سود کو حلال قرار دیا۔ علی عبدالرزاق نے اسلام کو محض روحانی مذہب قرار دیا۔ عبدالمتعال نے حدودِالٰہی کو غیر واجب قرار دیا۔

تعلیم وتربیت : مسلمانوں کے آخری اَدوار میں مسلمانوں کا نظام تعلیم اسلام کی فرد و معاشرہ پر مشتمل جامع روح کا عکاس نہ تھا۔ اُس پر جمود طاری تھا اور وہ زمانے کے مسائل کی وضاحت نہ کر رہا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ نظام تعلیم عملیت سے عاری، تاثیر سے منقطع اور معاشرے کی تشکیل سے غیر متعلق تھا۔ اُمّت مسلمہ میں جدید مغربی علوم کا دُخول استعمار کے زیر سایہ ہوا۔ مغربی ممالک نے اسلامی ممالک پر قبضہ کرتے ہی ایک نئے نظام تعلیم کی بنیاد رکھی۔ اُس وقت سے عالم اسلام میں علم کی دوئی پیدا ہوئی۔ یعنی

۱۔ دینی تعلیم جو محدود اور تنگ ہونے کے ناطے شریعت کی حدود میں غور وفکر اور درپیش مسائل کی طرف متوجہ نہ تھی۔

۲۔ جدید تعلیم جو لادین اور غوروفکر کی تمام سرگرمیوں پر مشتمل تھی۔

قدیم دینی نظام تعلیم اپنے اہداف، طریق کار، اسلوب تدریس اور وسائل میں پس ماندہ تھا جبکہ جدید سکولوں کالجوں کا نظام تعلیم استعمار کے زیر سایہ اپنے وسائل اور مظاہر میں نہایت عالی شان تھا۔ لارڈ میکالے نے ہندوستان میں جدید تعلیم کا جو ہدف بیان کیا، وہی ہدف بیروت، استنبول، قاہرہ وغیرہ میں اپنایا گیا۔ یعنی کلرکوں کی ایسی نسل تیار کرنا جو استعمار کی نوکری کرکے فخر کرے اور اپنے قومی سرمایہ افتخار کو بھول جائے۔ مسلمان طلبا کے طائفے یورپ روانہ ہوئے جنھوں نے واپس آکر اپنی قوم میں بدیسی عظمت کے بیج بوئے۔ جدید تعلیم کے ذریعے مسلمان نسلوں میں اسلام اور اُس کی تاریخ وتہذیب کے متعلق مہلک شکوک اور اعتراضات پیدا کیے گئے۔ مغربی علوم کے تراجم میں عملی و تطبیقی علوم کو نظر انداز کرکے عشق ومحبت کے قصوں کی بھرمار کی گئی۔ مغربی تہذیب کو سوچے سمجھے اور بلا تمیز اپنانے کی دعوت پیش کرنے والے طٰہٰ حسین، احمد لطفی، اسماعیل مظہر اور قاسم امین تھے جن کی طرزِ فکر مکمل طور پر مغربی تھی۔ جدید تعلیم کی وجہ سے نئی نسل لادین تربیت کی حامل ہوئی۔ قدیم دینی نظام تعلیم کو بتدریج مغربی اغراض کے ماتحت کیا گیا۔ فصیح عربی زبان کو ترک کرکے لغتِ عامی کو ترویج دی گئی تاکہ قرآن کی زبان متروک ہو جائے۔ جدید یونیورسٹیوں میں مغربی علوم کو لادین منہج کے مطابق پڑھایا گیا۔ مردوزن کا اختلاط، رقص ڈرامے اور موسیقی کی تعلیم، جدید علوم کے الحادی نظریات، مغربی ادبی وتاریخی مکاتب فکر کی ترویج، جدید نظام تعلیم کی امتیازی خصوصیات تھیں۔ شعرا، ادبا، مفکرین اور میڈیا کے افراد پر مغربی علوم کا غلبہ عام ہو گیا۔ ہر طرف اباحیت، عقلیت، رومانیت، واقعیت، مارکسیت، ڈارونیت اور لامعقولیت وغیرہ کے اثرات غالب آگئے۔

معاشرت واخلاق : مسلمانوں کے دور انحطاط میں اُن کی معاشرتی زندگی خالص اسلامی تعلیمات کی عکاس نہ تھی بلکہ اُس پر جاہلی رسوم ورواج اور ادنیٰ جذبات کا غلبہ ہو چکا تھا۔ جب مسلمانوں پر مغرب کا عسکری وسیاسی غلبہ ہوا تو وہ مغربی معاشرت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ مسلمان دین کی سند پر اپنی حیا اور عزت وناموس کی حفاظت کرتے تھے پھر بھی پس ماندہ تھے جبکہ مغرب بے حیائی، اختلاط اور بے

پردگی کے باوجود ترقی یافتہ تھا۔اس طرح مسلمانوں میں یہ عقلیت پیدا کی گئی کہ پس ماندگی کا سبب اسلام اور ناقص مشرقی معاشرت ہے۔

محمد علی مصری کے دور میں مسلم طلبا کے طائفے یورپی ممالک سے کھیپ در کھیپ پڑھ کر آئے۔انھوں نے اسلامی معاشرت اور مغربی معاشرت کا فرق کھول کھول کر بیان کیا اور مغربی طور طریقوں کو افضل قرار دیا۔عالم اسلام میں نسوانی قضیے کی ابتدا جمال الدین افغانی سے ہوئی جس کے نزدیک مشرق کی خرابیوں کی جڑ عورت و مرد کو مساوی نہ سمجھنا تھا۔محمد عبدہ اور قاسم امین افغانی کے شاگرد تھے۔ قاسم امین نے ۱۸۹۷ء میں عورت کے اسلامی تصورات پر خطرناک ترین حملے کیے۔ اُس نے حجاب کو رذیل ترین اخلاق کا سبب قرار دیا اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ باور کرایا۔ قاسم کے نزدیک مسلمانوں کے مرض کا علاج یہ ہے کہ اُن کی تربیت مغربی طریقے پر کی جائے۔۱۹۱۹ء میں مصر کا استعمار کے خلاف انقلابی ماحول پیدا ہوا تو اس میں عورتوں نے احتجاجی سیاست کا بھرپور مظاہرہ کیا جس سے اُن کی لادین حقوق کی سیاست خوب مقبول ہوئی۔

بیداریٔ نسواں کی اوّلین تحریک کی قیادت ہدی الشعراوی نے کی جس کا سرپرست سعد زغلول تھا۔ ۱۹۴۵ء کی مصری نسوانی تحریکوں کی رسوائیوں کو مصری اخبارات نے خود نشر کیا۔ یہ تنظیمیں مغرب سے مال وصول کرتیں اور مسلمانوں میں بے حیائی پھیلاتیں۔جدید مصری صحافت نے مغربی فیشن اور مغربی نسوانیت کو فروغ دینے میں بھرپور حصہ لیا۔یونیورسٹی میں مخلوط تعلیم کو طلبا کے احتجاج کے باوجود غالب کیا گیا۔اسماعیل مظہر نے عورت کی گھر داری کو فرسودہ ناقص اور غیر اسلامی نظام قرار دیا۔عورت کی وراثت، گواہی اور ملازمت کے حقوق وغیرہ کو مرد کے برابر قرار دیا۔خالد محمد خالد نے تعدد ازواج اور خاوند کے اسلامی حق طلاق پر پابندی کا مطالبہ کیا۔

اس طرح عالم اسلام میں بتدریج اخلاقی بے راہ روی پروان چڑھ گئی۔ ترکی میں مختصر لباس اور اعلانیہ بوس و کنار عام ہوا۔ افریقہ، الجزائر، تیونس وغیرہ میں فحاشی استعمار سے آزادی کے بعد زیادہ بڑھ گئی۔الیکٹرونک میڈیا،اخبارات ورسائل اور سائن بورڈ نے فحاشی کے فروغ میں خوب حصہ لیا۔ ہر طرف مخلوط تعلیم، مخلوط سرکاری ادارے، گھر بازار اور عوامی مقامات پر مرد و زن کی بے حجاب معاشرت پھیل گئی۔ نتیجہ میں معاشرتی جرائم، قتل، لوٹ مار، آوارہ گردی، گھروں کا ٹوٹنا، غیر محفوظ نسل اور خاندانوں کا بکھرنا بھی عام ہو گیا۔عالم اسلام میں ابھی بھی بے پردگی کو ترقی اور خوش حالی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

کیاعالم اسلام میں سیکولرزم کے وہ اسباب موجود ہیں جو یورپ میں تھے!

یورپ کا سیکولرزم تحریف شدہ مسیحیت سے پیدا ہوا۔ غیر عقلی اور غیر فطری نظریۂ تثلیث، اناجیل کی تحریف، خدائی حقوق پر مبنی پاپائیت، موروثی گناہ کا غیر عقلی تصور، بخشش کے سرٹیفکیٹ جو ادیان کی تاریخ کی بدترین بدعت تھی۔ یہ وہ اُمور تھے جن کی وجہ سے یورپ کے خواص و عوام دین سے متنفر ہوئے اور انھوں نے قدیم یونانی و رومی علوم و آداب کا احیا کیا اور زندگی کی بنیاد وحی الٰہی کو چھوڑ کر فلسفے پر قائم کی۔

اسلام کو یورپ کے دین مسیحیت جیسے حالات پیش نہ آئے۔ اسلام کا عقیدۂ توحید سادہ اور فطری ہے۔ قرآن اللہ کا محفوظ کلام ہے، محمدی شریعت زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔ اسلام نبوی دور میں ہی شریعت الٰہی پر مبنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا جبکہ مسیحیت ایسا نہ کر سکی۔ اسلام کے علما کے لیے پاپائیت جیسے اختیارات بھی نہیں اور اُن جیسا جبر و استبداد بھی نہیں۔ اسلام میں باطل فرقے پیدا ہوئے لیکن وہ اسلام کی سنّی تشریح پر غالب نہیں آسکے جبکہ مسیحیت کا حقیقی دین شروع میں ہی مغلوب ہو گیا۔ اسلام میں مسیحیت کی طرح مذہبی پیشوائیت نہیں جو عوام اور اللہ کی عبادت کے درمیان واسطہ ہو بلکہ یہاں ہر شخص براہ راست اللہ سے تعلق قائم کر سکتا ہے۔ اسلام میں کبھی بخشش کے سرٹیفکیٹ تقسیم نہیں ہوئے اور نہ بندوں کے سامنے اقرارِ گناہ کی رسم موجود رہی۔ اسلام نے کلیسا کی طرح دینی پیشواؤں کی تنظیم نہیں بنائی جو عوام کا فکری، معاشی، معاشرتی اور سیاسی استحصال کرے۔ اسلام نے مسیحیت کی طرح علوم کی دینی و دنیاوی تقسیم نہیں کی اور نہ رہبانیت کی اجازت دی۔ اسلام کے نزدیک اللہ نے آدم کا گناہ معاف کر دیا تھا اور اُن کا گناہ ان کی اولاد میں منتقل نہیں ہوا۔ اسلام میں کسی سطح پر واسطوں کا شرک پیدا ہوا لیکن علمائے اسلام نے اُس کے خلاف آواز اٹھائی اور حقیقتِ توحید کو گم ہونے سے محفوظ کیا۔ ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کو ویسے حالات پیش نہیں آئے جیسے یورپ کو پیش آئے۔ لہٰذا اسلام کو سیکولرزم قبول کرنے کی ضرورت نہیں۔

اسلام میں سیکولرزم کا حکم

سیکولرزم دو اعتبار سے اسلام کے منافی ہے:

1۔ **سیکولرزم تصور عبادت کے منافی ہے:** عبادت اللہ کی کلی فرماں برداری اور مکمل زندگی رب کے حضور پیش کرنے کا نام ہے۔ سیکولر انسان اپنی فرماں برداری کے ٹکڑے کرتا ہے اور کچھ حصہ اللہ کے لیے مختص کرتا ہے اور کچھ حصہ غیر اللہ کے لیے بجالاتا ہے۔ اسلام میں دنیا و آخرت کی سرگرمیاں ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ دنیا کا ہر وہ کام جو اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے وہ عبادت ہے، چاہے وہ کاروبار ہو یا سیاست، فن و ادب ہو یا تعلیم و تربیت، گھربار ہو یا وطن و قوم کی خدمت۔

سیکولرزم غیر اللہ کی فرماں برداری کو بھی روا سمجھتا ہے۔ غیر اللہ کی فرماں برداری کو جائز سمجھنا، اُس کی غیر مشروط اطاعت کو لازم ماننا، اُس کے احکامات اور قوانین کو دین سے زیادہ قابل قدر سمجھنا... یہ تمام امور نصوص شرعیہ کے مطابق کفرِ اکبر ہیں۔

2۔ سیکولرزم "حکم بغیر ما انزل اللہ" ہے : یعنی اس میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق انفرادی یا اجتماعی فیصلے نہیں ہوتے۔ یہ چیز فقط گناہ ہی نہیں بلکہ شرک ہے۔ جب کوئی شخص زندگی کے کسی شعبے میں شریعت کی اتباع کو لازم نہ سمجھے یا اللہ کے حکم کی تنفیذ کو واجب قرار نہ دے تو وہ بالاتفاق دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ غیر اسلام کو قانون سمجھنا شرک ہے جیسا کہ قرآن وحدیث کی کئی نصوص دلالت کرتی ہیں۔ اور قرآن وسنت سے خود ساختہ غیر معصوم قوانین کو دستوری حیثیت دینا گناہ ہے، جس کے نتیجے میں مسلم ممالک میں دسیوں شرعی اور متصادم قوانین متعارف ہو سکتے ہیں۔

۳۔ سیکولرزم اپنی فکر کے اعتبار سے ادیان کو برحق نہیں سمجھتا : سیکولر لوگ خدا کے وجود کے اقرار کے باوجود دین اور وحی کو حجت نہیں سمجھتے اور نہ ہی اِس کی اتباع کو لازم قرار دیتے ہیں۔ سیکولرزم کا اخلاق فواحش، مادیت، اباحیت، دینی وسماجی روایات سے انحراف اور نفسانی خواہشات پر مبنی ہوتا ہے۔ سیکولرزم کا قانون اور نظام دین سے علیحدگی پر مشتمل ہوتا ہے۔ دین کو چند انفرادی رسوم میں محدود کر کے زندگی کے باقی تمام اجتماعی شعبے دین سے آزاد کیے جاتے ہیں۔

سیکولرزم کی فکر، اخلاق اور قانون تینوں اسلام کی عبدیت کے منافی ہیں۔ انسان اپنی فکر، اخلاق اور قانون میں اللہ کا عبد ہے اور اُس کی رضا کا پابند، وہ آزاد مخلوق نہیں۔

☆ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سیکولرزم کفر وشرک نہیں کیونکہ اس کے ماننے والے اللہ کا اقرار کرتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ اُن کی بات کئی اعتبار سے غلط ہے:

1. قریش مکہ اللہ کا اقرار کرتے تھے اور نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کے ساتھ شرک بھی کرتے تھے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے اُن کے ساتھ ۱۳ سال تبلیغی جدوجہد کی اور دس سال جہاد کیا۔

2. علمائے دین نے اسلام کو توڑ دینے والے اُمور بتلائے ہیں جن کا ارتکاب کرنے سے کلمہ پڑھنا اور نمازیں ادا کرنا بے معنٰی ہو جاتا ہے اور انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اُن کو نواقض اسلام کہتے ہیں۔ سیکولرزم کو برحق جاننا ناقض اسلام ہے۔ اس کی موجودگی میں اللہ پر ایمان اور نماز کی ادائیگی معتبر قرار نہیں پاتی۔

سیکولر لوگ اللہ کی عبادت کے معنی ومفہوم کو نہایت محدود قرار دیتے ہیں اور یہ بات قابل تعجب نہیں۔ حضرت عدی بن حاتم دورِ جاہلیت میں عبادت کو محدود سمجھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اُن کو بتلایا کہ اللہ کے مقابلے میں کسی کے امر ونہی کو تسلیم کرنا، اُس کی عبادت کرنا ہے۔

سیکولرزم توحیدِ الٰہی میں شرک ہے، وہ نبوت کے خلاف بغاوت ہے، وہ غیر اللہ کی حاکمیت کو جائز سمجھتا ہے۔ وہ اسلام کی اصل کے منافی ہے۔ وہ طاغوت کی عبادت ہے۔ سیکولرزم جاہلیت کا فروغ اور خواہش نفس کی عبودیت ہے۔ سیکولرزم فساد فی الارض ہے!!

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انسانی زندگی تبدیل ہوتی رہتی ہے جبکہ شریعت کے احکام ٹھوس اور جامد ہیں، یہ زندگی کے تمام مسائل حل نہیں کر سکتی۔ یہ بات بھی بالکل باطل ہے۔ اسلام زندگی کے تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے اور قیامت تک انسان کی راہنمائی کرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا کے ذریعے معاشرے کی فلاح کا راستہ واضح کیا ہے۔ علوم نبوت کے حامل علمائے کرام کو معاشرے کے ہر زندہ مسئلہ پر اسلامی رہنمائی کی بھرپور تیاری کرنی چاہیئے، جیسے فلسفہ یونان کے دور میں علمائے حقہ نے ہر انحراف کا کافی وشافی جواب دیا تھا۔ قرآن وسنت کے معانی ومفاہیم میں درک وبصیرت حاصل کیا جائے، ہر سوال کی کافی وضاحت یہاں سے مل سکتی ہے، یہی وہ چشمہ صافی ہے جس سے فیض پا کر شمع نبوت کے پروانے جاہلیت قدیمہ اور وقت کی سپر پاورز کو اللہ کے جھنڈے تلے لائے، اور اسی سے جاہلیتِ جدیدہ کے تار و پود بکھریں گے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ قرآن وسنت کو سیکھیں اور پڑھیں، وہ معتبر ومستند علمائے دین سے سوال کریں، اور جب رہنمائی مل جائے تو اس پر خلوص دل سے عمل کریں تو کفر کی یہ ظلمتیں چھٹ جائیں گی اور اسلام کا نور دنیا پر غالب آجائے گا اور اس کا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے وعدہ کر رکھا ہے۔